توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ایکٹ، مخصوص پاکستانی ادوار و دفعات کا ایک جائزہ

"Blasphemy of Prophet ﷺ Act, An overview of specific Eras and Acts in Pakistan."

غلام مصطفیٰ* ڈاکٹر سجاد احمد** عثمان آفاق***

ISSN (P) 2664-0031 (E) 2664-0023
DOI: https://doi.org/10.37605/fahmiislam.v6i2.382

Received: July 28,2023
Accepted: September 15, 2023
Published: December,2023

Abstract

It is a religious duty for every Muslim to have faith in and abide by the teachings of the final Prophet, honoring him both as a Prophet and as the guiding authority of Islamic principles. Prophet Muhammad (peace be upon him) is held in the highest regard, and his teachings shall be upheld until the Day of Judgment.

No one can challenge the noble characteristics and attributes of the Prophet, and any form of disrespect towards him is considered blasphemous. Being the Prophet of Islam, he is an integral part of the foundations of Islamic law. Muslim nations have also enshrined his position as the Prophet, guide, and leader in their constitutions, laws, and regulations. Violating this respect is a breach of the country's laws, and those found guilty of insulting him will face legal consequences.

Pakistan has taken measures to ensure that no one challenges the Prophet's status or tolerates any act of insult towards him. Various individuals have worked towards this cause. Within this context, an assessment is being made regarding the Act that deals with instances of blasphemy against Prophet Muhammad (peace be upon him) during specific periods in Pakistan.

Keywords: Blasphemy of the Prophet ﷺ, Prophet pbuh as the Authority, Guide and Leader, Laws and Acts.

تمہید

* پی ایچ ڈی سکالر ڈیپارٹمنٹ آف فقہ اینڈ شریعہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔minqilabi123@gmail.com:
(Correspondence Author)

** اسسٹنٹ پروفیسر، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز میرپور یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میرپور، آزاد کشمیر۔

*** ایم فل اسکالر، ڈیپارٹمنٹ شعبہ اسلامی فکر و تہذیب یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور۔

توہین رسالت ﷺ کے حوالے سے مسلمان دنیا کے کسی کونے میں ہوں، وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس پر ہر مسلمان اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ ابتدائی دور سے لے کر برصغیر پاک و ہند اور اس کے بعد تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں بھی اہلِ اسلام نے اس طرز عمل کو آگے بڑھایا، ناموس رسالت کے متعلق ڈاکٹر شہباز احمد منہج رقم طراز ہیں:

"حضور نبی رحمت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی آفاقی تعلیمات، قرآن و سنت پر عمل کر کے مسلمانوں کے دلوں اور ملکوں دونوں کو تسخیر کیا۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے آخر میں جس صحابی کا انتقال ہوا وہ حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ تھے۔ اس وقت دنیا کا بڑا اور متمدن دنیا کا سارا جغرافیائی حصہ مسلمانوں کے پاس تھا۔ آغاز اسلام کے بعد ایک ڈیڑھ سو سے کم عرصہ میں ہندوستان سے لے کر سپین اور جنوبی فرانس تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا تھا۔ اپنے سیاسی عروج کے زمانہ بالخصوص عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں قائم بیت الحکمت کے تحت تالیف و تراجم کا کام ہوا۔ اس دور میں مسلمانوں نے غیر اقوام کے بہت سے علوم و فنون کی اہم کتب کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے کسی قوم کے قانون کی کتاب کا ترجمہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے دور آغاز ہی سے مسلمانوں کو یہ فخر اور ناز رہا ہے کہ ان کے پاس اپنا ایک مکمل اور قابلِ عمل قانون قرآن و سنت کی صورت میں موجود ہے۔ اس لیے انہیں کسی غیر قوم سے قانون لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب پاکستان قائم ہوا تو ہم نے جغرافیائی آزادی تو حاصل کر لی لیکن ذہنی غلامی از خود برقرار رکھی اور انگریزوں ہی کے قانون کو اپنا لیا۔ پاکستان کا موجودہ نافذ العمل ضابطہ تعزیرات انگریزوں کے زمانے سے نافذ تعزیراتی قانون کا تسلسل ہے"۔[1]

سلطنت مغلیہ کے بعد جب ہندوستان میں برطانوی راج مسلط ہو گیا تو یہاں ۱۸۶۰ء میں گورنر جنرل ہند کی منظوری سے تعزیرات ہند کو نافذ العمل کر دیا گیا۔ اس سے قبل سارے ملک میں اسلامی قانون جاری تھا۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں صادر ہوتے تھے۔ ایڈووکیٹ محمد اسماعیل قریشی لکھتے ہیں:

''تعزیرات ہند کی تدوین لارڈ میکالے کی سربراہی میں تشکیل شدہ کمیشن نے نپولین کوڈ کو سامنے رکھ کر کی تھی جس کا ماخذ اسلامی قانون تھا جس کو فرانس کے واضعان قانون نے حسب منشا ترمیم اور تبدیل کر لیا تھا۔ اس سلسلہ میں انگلش قوانین میں بھی خاص طور پر انتظامی مصلحتوں کو پیش نظر رکھا گیا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انگلستان میں اس وقت بھی یعنی ۱۸۶۰ء میں قانون توہین مسیحؑ بطور کامن لاء موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔ البتہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے خلاف منافرت پھیلانے یا حکومت کے خلاف اشتعال انگیزی کے جرم کے لیے ایک دفعہ تعزیرات ہند میں شامل کی گئی جسے جرم بغاوت قرار دے کر اس کی سزا، سزائے عمر قید مقرر کی گئی۔ جس کی جگہ ۱۸۹۸ء میں دفعہ ۱۲۴ الف کو معمولی ترمیم کے ساتھ شامل تعزیرات کیا گیا مگر سزا اور نوعیت جرم وہی برقرار رہی۔ اسی سال ۱۸۹۸ء میں دفعہ ۱۲۴ الف کے ساتھ ہی ایک مزید دفعہ ۱۵۳ الف کا بھی اضافہ کیا گیا تاکہ فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کی وجہ سے ملک میں جو فتنے اور فسادت پیدا ہوں ان کا سدباب کیا جا سکے اور حکومت ان خطرات سے محفوظ رہ سکے''۔[2]

دفعہ ۱۵۳ الف کا متن حسب ذیل ہے:

''جو کوئی الفاظ سے بذریعہ تقریر و تحریر یا اشاروں سے یا کسی اور طریقہ سے ہندوستان میں رعایا کی مختلف جماعتوں میں دشمنی یا منافرت کے جذبات ابارے یا انہیں بھڑکانے کی کوشش کرے اسے دو سال قید تک یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں''[3]

وضاحت

''ایسا کوئی فعل جو بد نیتی کے بغیر نیک نیتی کے ساتھ ان امور کی نشاندہی کرے، جو ہر میجسٹی کی رعایا کی مختلف جماعتوں کے درمیاد دشمنی یا منافرت کے جذبات یا رجحانات پیدا کرنے کا باعث ہوں، مذکورہ بالا جرم کی تعریف میں نہیں آئے گا''۔

برٹش گورنمنٹ نے جب دیکھا کہ دلیپ سنگھ کے اس فیصلہ میں دفعہ ۱۵۳ الف کی غلط تعبیر اور تشریح کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو رہے ہیں تو ان کی اشک شوئی کے لیے دفعہ ۲۹۵ الف کو قانون فوجداری کے ترمیمی ایکٹ مجریہ سال ۱۹۲۷ء کے ذریعہ تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا جو حسب ذیل ہے:

۲۹۵الف

"جو کوئی عمداً بدنیتی سے تحریری یا تقریری یا اعلانیہ طور پر رعایا کی کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کرے یو توہین کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس جماعت کے مذہبی جذبات مشتعل ہوں تو اسے دو سال تک قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں"[4]

دفعہ ۲۹۵ الف میں ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء سے "ہر میجسٹی کی رعایا" کے الفاظ کو "پاکستان کے شہریوں" کے الفاظ سے تبدیل کر دیا گیا۔ اس طرح اس دفعہ میں سال ۱۹۶۱ء کے ترمیمی آرڈیننس جس کو سال ۱۹۵۶ء سے موثر بہ ماضی کیا گیا تھا، کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ سال ۱۹۸۰ء میں دوسری ترمیمی آرڈیننس کے ذریعہ دفعہ ۲۹۸ الف کا اضافہ کیا گیا جو حسب ذیل ہے:

۲۹۸الف، ذوات قدسی کی توہین

"جو کوئی تحریری یا تقریری یا اعلانیہ یا اشارتاً یا کنایتاً، بالواسطہ یا بلاواسطہ، امہات المؤمنین یا کسی اہل بیت یا خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ راشد یا اصحاب رسول کی بے حرمتی کرنے، ان پر طعنہ زنی یا بہتان تراشی کرنے، اسے دس سال قید تک کی سزا یا جرمانہ عائد کیا جائے گا یا وہ ان دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو گا"[5]

اس دفعہ ۲۹۸ الف تعزیرات پاکستان کے اضافہ سے صرف "امہات المؤمنین یا اہل بیت" خلفائے راشدین یا اصحاب رسول کی بے حرمتی اور ان کی شان میں گستاخی کو قال تعزیری جرم قرار دیا گیا لیکن خود اس مقدس ترین ہستی، جس سے نسبت کی وجہ سے انہیں یہ مرتبہ حاصل ہوا، ان کی جناب میں گستاخی، اہانت، توہین، تنقیص، طعنہ زنی، بہتان تراشی جیسے سنگین اور ناقابل معافی جرم کے بارے میں کوئی سزا تجویز نہیں ہوئی، اس لیے اس کوتاہی اور کمی کو پورا کرنے کے لیے سال ۱۹۸۴ء میں محمد اسماعیل ایڈووکیٹ نے شریعت پٹیشن نمبر ا سال ۱۹۸۴ء میں فیڈرل شریعت کورٹ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان، صدر پاکستان اور گورنرہائے صوبہ جات پاکستان کے خلاف دائر کی گئی۔ اس شریعت پٹیشن کا فیصلہ ابھی محفوظ تھا کہ نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں ایک این۔جی او لیڈر خاتون نے بالواسطہ گستاخی کی، جس پر محترمہ آپا نثار فاطمہ نے توہین رسالت کے جرم کی سزا، سزائے موت کا بل

قومی اسمبلی میں پیش کیا، جو فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ نمبر ۳ سال ۱۹۸۶ء کی صورت میں منظور ہوا جس کی رو سے تعزیرات پاکستان میں ۲۹۵۔سی کا اضافہ کیا گیا، جو حسب ذیل ہے:

موجودہ قانون توہین رسالت (دفعہ ۲۹۵۔سی)

"جو کوئی عمداً زبانی یا تحریری طور پر بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ یا بلاواسطہ، اشارتاً یا کنایتاً نام محمد ﷺ کی توہین و تنقیص یا بے حرمتی کرے، وہ سزائے موت یا سزائے عمر قید کا مستوجب ہو گا اور اسے سزائے جرمانہ بھی دی جائے گی"[6]

چوں کہ توہین رسالت کے متذکرہ بالا بل میں اہانت رسول کی سزا، بطور حد کے سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا تھا، لیکن اس میں سزائے موت کی متبال سزا، سزائے عمر قید جو دفعہ ۲۹۵۔سی میں رکھی گئی وہ قرآن و سنت کے منافی تھی، اس لیے دوبارہ اس دفعہ سے "عمر قید" حذف کرنے کا مطالبہ بذریعہ شریعت پٹیشن کر دیا گیا کہ توہین رسالت کی سزا بطور "حد" صرف سزائے موت مقرر ہے اور حد میں کسی قسم کی کمی یا بیشی نہیں کی جاسکتی۔ یہ شریعت پٹیشن فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے فیصلہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کے ذریعہ منظور کر لی اور قرار دیا کہ اہانت رسول ﷺ کی سزا بطور حد صرف سزائے موت ہے جس میں کسی کو کمی بیش کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔

فیڈرل شریعت کورٹ اور قانون توہین رسالت ﷺ

فیڈرل شریعت کورٹ نے قانون توہین رسالت کا یہ فیصلہ صدر حکومت پاکستان کو ارسال کر دیا تھا کہ ۲۹۵۔سی تعزیرات پاکستان میں ترمیم کر کے "عمر قید" کے الفاظ اس دفعہ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔ "اس فیصلہ میں حکومت کو مزید ہدایت کی گئی کہ اس دفعہ میں ایک اور شق کا اضافہ کیا جائے، جس کی رو سے دوسرے پیغمبروں کی اہانت کی سزا بھی سزائے موت مقرر کی جائے۔ اس فیصلہ کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی جو نوٹس پر حکومت نے واپس لے لی۔ اس طرح فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ عدالت عظمیٰ میں بھی بحال رہا جس کی وجہ سے "عمر قید" کے الفاظ آئین قانون اور فیصلہ کے مطابق ۲۹۵۔سی حذف ہو کر "عمر قید" کی سزا غیر موثر ہو چکی ہے اور اب پاکستان میں اہانت رسول مقبول کی سزا بحمد للہ حد سزائے موت مقرر ہو کر نافذ العمل ہے"۔[7]

۲۲ ستمبر ۲۰۰۵ء سپریم کورٹ آف پاکستان نے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے ڈاکٹر محمد امین بنام محمد محبوب میں نہایت اہم آئینی اور قانونی نکتہ پر دیا ہے۔ ہائی کورٹ کے ڈویژن بینچ نے محبوب ملزم کو توہین رسالت کے مقدمہ میں اس لئے بری کر دیا تھا کہ استغاثہ کی شہادت اسلام کے معیار شہادت کے مطابق نہیں تھی اس حد تک تو فیصلہ درست تھا لیکن اور ایک وجہ جس کا ذکر فیصلہ میں نمایاں طور پر کیا گیا تھا وہ یہ کہ توہین رسالت کا مجرم اگر اپنے گناہوں کی توبہ کر لے تو عدالت اسے معاف کرتے ہوئے بری کر سکتی ہے۔ عدالت عالیہ کے اس اختیار کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا کہ توہین رسالت کے بارے میں قرآن اور سنت اجماع اور آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان کی رو سے فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان کے فیصلہ شہد مقدمہ محمد اسماعیل قریشی بنام جنرل محمد ضیاء الحق کے بعد کسی عدالت، گورنمنٹ یا اتھارٹی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مجرم کو توبہ پر معاف کر دے۔ ایسی صورت میں گستاخان رسول کو یہ فری لائسنس مل جائے گا کہ وہ آپ ﷺ کی توہین کریں اور پھر توبہ کر کے اس جرم سے بری ہو جائیں۔

سپریم کورٹ کے دلائل سے اتفاق کرتے ہوئے قرار دیا کہ عدالتیں فیڈرل شریعت کورٹ کے ۱۹۹۱-۱۰ کے فیصلہ کی پابند ہیں اور توہین رسالت کے مجرم کو معاف کر دینے کا کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کی نقل کتاب کے ضمیمہ میں شامل کی گئی۔ فیڈرل کورٹ کے فیصلہ کے مذکورہ بالا حوالے سے اسلامی قانون حدود اور تعزیرات کے بنیادی نکتہ کا ذکر ضروری ہے: پھر لکھتے ہیں:

"اسلام ہی نے دنیا میں سب سے پہلے نیت، ارادے اور قصد کو جرم کا بنیادی رکن بنایا ہے اس سے قبل رومن لاء یا ہندوستان میں لاگو اینگلو سیکسن لاء میں اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کے قوانین میں ارادہ قصد یا نیت کو جرم کا بنایدی رکن یا اسے جرم سے متعلق جز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج سے چودہ سو سال قبل شارع اسلام ﷺ نے ارادہ اور نیت کو جرم اور عمل کی بنیاد بنا کر انسان کو جزا و سزا کا مستحق قرار دیا جو دنیائے قانون و عدل میں سب سے پہلا انقلابی اقدام تھا۔ چوں کہ ساری دنیا نے اس کو تسلیم کر لیا ہے اور یہ جزو قانون بن چکا ہے، اس لیے اس تاریخی حقیقت کو دنیا نے فراموش کر دیا ہے"۔[8]

اسی کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جناب رسالت مآب ﷺ کی یہ مشہور حدیث کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اس کی روشنی میں ۲۹۵۔سی کو قرآں اور سنت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ہمیں اسے دو حصوں میں منقسم کرنا پڑے گا۔ ایک تو بلا ارادہ جرم توہین رسالت یعنی وہ عمل جو قصداً اور عمداً اہانت رسول ﷺ اور انبیائے کرام کے لیے کیا جائے تو اسکی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہے۔ دوسرا جرم جو بلا ارادہ ہو، جس میں اہانت اور گستاخی کے کسی پہلو کی کوئی نیت یا ارادہ کسی صورت میں ظاہر نہ ہو یا اس میں ایسی کوئی بات نہ ہو جس پر علم کی مجرمانہ ذہنیت پر استدلال کیا جاسکے تو اسے حد کی سزا موت نہیں دی جائے گی مگر اس پر جرمانہ عائد کیا جائے گا کہ اس نے بلا قصد و ارادہ سہی لیکن گستاخی کر کے جرم و احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا، جس کی ہر عاقل بالغ شخص سے توقع کی جاتی ہے۔ البتہ جبر و اکراہ میں ملزم مستوجب سزا نہیں ہے مگر جو شخص جبر و اکراہ کا موجب ہو، وہ سزائے موت کا مستحق قرار پائے گا۔ قتل جیسے سنگین جرم میں اگر قتل بالارادہ ہو تو وہ قتل عمد کہلائے گا، جس کی سزا بطور حد سزائے موت ہے۔ لیکن اگر وہ قتل بالارادہ نہ ہو، اسے قتل خطا کہا جائے گا، جس کی سزا حد کی طرح قتل نہیں بلکہ اس سے کم تر ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ میں شروع ہی سے موقف رہا ہے اور وفاقی شرعی عدالت نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے"۔[9]

قادیانیت اور ناموس رسالت ﷺ:

جب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تو مرزا غلام احمد قادیانی نے بزعم خویش اپنے آپ کو نبی کے طور پر پیش کیا۔ اس کے ماننے والے امت میں شامل ہیں اور باقی الگ مخلوق ہیں اس بارے میں مولانا مودودیؒ رقم طراز ہیں:

"یہ قطع تعلق صرف تحریر و تقریر تک ہی محدود نہیں، بلکہ پاکستان کے لاکھوں آدمی اس بات کے شاہد ہیں کہ قادیانی عملاً بھی مسلمانوں سے کٹ کر ایک الگ امت بن چکے ہیں۔ نہ وہ ان کے ساتھ نماز کے شریک، نہ جنازے کے، نہ شادی بیاہ کے۔ اب اس کے بعد آخر کون سی معقول وجہ رہ جاتی ہے کہ ان کو اور مسلمانوں کو ایک امت میں باندھ رکھا جائے؟ جو علیحدگی عمل اور نظریے میں فی الواقع رونما ہو چکی ہے اور پچاس برس سے قائم ہے، آخر اب اسے آئینی طور پر کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے؟"۔[10]

مولانا شاہ احمد نورانیؒ اور قومی اسمبلی میں قادیانیت کا مسئلہ:

مسئلہ قادیانیت جو کہ کافی عرصہ سے چل رہا تھا۔ اس میں قادیانی اپنے عقائد و نظریات کو مسلمانوں کے اندر پھیلا رہے تھے۔ان کی روک تھام کے لیے جہاں دیگر افراد کاوشوں میں مصروف تھے، مولانا شاہ احمد نورانیؒ بھی اس میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہے تھے۔ تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لیے آپؒ ہر وقت تیار تھے۔ اسی لیے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں آپ نے قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف قرار داد پیش کی۔ جس کے نتیجے میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں لکھتے ہیں:

"امام شاہ احمد نورانی صدیقی جو قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں سے پہلے ہی آگاہ تھے اور سقوط ڈھاکہ کا اصل مجرم بھی قادیانیوں کو سمجھتے تھے، انہوں نے یحییٰ خان کو قادیانی، اسرائیل گٹھ جوڑ کے متعلق آگاہ بھی کیا تھا۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے اسمبلی سے باہر جون 1974ء سے لے کر ستمبر 1974ء تک ملک کے طول عرض میں مسلسل دورے کر کے عامتہ المسلمین کو قادیانی فتنے کی ہلاکت انگیزیوں سے آگاہ کیا۔ مسئلے کی سنگینی کے پیش نظر اور قادیانیوں کے عزائم سرکوبی کے لئے ضروری تھا کہ علمائے کرام کو سیاسی و آئینی کوششوں کے ذریعے قادیانی فتنے کی سرکوبی کی جائے۔ اس سے قبل مولانا شاہ احمد نورانی آئین پاکستان 1973ء میں مسلمان کی متفقہ تعریف شامل کروا چکے تھے، چنانچہ امام نورانی جو 30 اپریل 1974ء کو قادیانیوں کے خلاف قومی اسمبلی میں ایک تاریخی قرار داد پیش کر چکے تھے جس میں مطالبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اس قرار داد پر 37 ارکان قومی اسمبلی نے دستخط کئے جن میں علامہ عبد المصطفیٰ الازہری، مولانا محمد ذاکر، مولانا مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، مخدوم نور محمد ہاشمی، سردار شیر باز خان مزاری، چودھری ظہور الٰہی، مولانا عبد الحق، مولانا سید محمد علی رضوی اور صاحبزادہ احمد رضا قصوری کے نام قابل ذکر ہیں"۔[11]

ذوالفقار علی بھٹو اور تحفظ ناموس رسالت ﷺ

ذوالفقار علی بھٹو نے قانون توہین رسالت ﷺ میں اہم کردار ادا کیا۔ کرنل میں رفیع لکھتے ہیں:

"وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک بہت بڑا نام اور ناقابل فراموش کردار ہیں۔ وہ انتہائی مدبر سیاستدان، اعلیٰ تعلیم یافتہ، بے حد وسیع المطالعہ، وقت کے نبض شناس اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے دنیا

سے اپنی خطابت و ذہانت کا لوہا منوایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام خامیوں اور بشری کمزوریوں کے باوجود عوام کی بھاری اکثریت آج بھی ان کا احترام کرتی ہے"۔[12]

نشتر میڈیکل واقعہ

ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں 29 مئی 1974ء کو نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر ربوہ ریلوے سٹیشن پر قادیانی قیادت کے ایما پر بے پناہ تشدد کیا گیا جب وہ شمالی علاقہ جات کی سیر کے بعد واپس ملتان جا رہے تھے۔ ان طلبہ کا قصور یہ بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے 22 مئی کو پشاور جاتے ہوئے ربوہ ریلوے سٹیشن پر قادیانی لٹریچر لینے سے انکار کیا اور ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے تھے۔ اس کی پاداش میں، واپسی پر ان کی گاڑی بلا ضابطہ روک کر طلبہ پر ظلم و تشدد کا ہر نیا طریقہ آزمایا گیا جس سے 30 طلبہ شدید زخمی ہوئے۔ اس واقعہ کا پورے ملک میں زبردست رد عمل ہوا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی اپیل پر پاکستان کے مختلف شہروں میں ہڑتالوں اور پُرجوش مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اور قادیانیت کا پس منظر:

سید ابو الاعلیٰ مودودی مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کے متعلق لکھتے ہیں:

"قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا آغاز بیسویں صدی کی ابتداء سے ہوا۔ انیسویں صدی کے خاتمے تک اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب اگرچہ مختلف دعوے کرتے رہے تھے، جن کی بنا پر مسلمانوں میں ان کے خلاف عام بے چینی پیدا ہو چکی تھی، مگر اس وقت تک انہوں نے کوئی ایک قطعی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ ۱۹۰۲ء میں انہوں نے اپنی نبوت کا قطعی اور واضح دعویٰ کیا۔ جس سے ان کے ماننے والوں اور عام مسلمانوں کے درمیان ایک مستقل نزاع شروع ہو گیا۔ اس نزاع کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ نبوت اسلام کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔ ایک شخص کے دعویٰ نبوت کے بعد ہر مسلمان کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ اس پر ایمان لانے اور نہ لانے میں سے کسی ایک رویہ کو اختیار کرے۔ جو لوگ اس پر ایمان لے آئیں وہ خود ایک الگ امت بن جاتے ہیں اور ان کے نزدیک ایسے سب لوگ کافر ہو جاتے ہیں جنہوں نے اس کو نہ مانا ہو"۔[13]

قومی اسمبلی میں خطاب

چنانچہ 30 جون 1974ء کو قومی اسمبلی میں اپوزیشن نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے ایک قرارداد پیش کی۔ اس سے پہلے ذوالفقار علی بھٹو نے 13 جون 1974ء کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"جو شخص ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔ ربوہ کے واقعہ سے تعلق رکھنے والے سارے مسئلے کو جولائی کے پہلے ہفتے میں قومی اسمبلی کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ حکمران جماعت کے ارکان پر پارٹی کی طرف سے کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا جائے گا اور انھیں آزادی ہو گی کہ وہ کم و بیش 90 سال پرانے اس اہم اور نازک مسئلے کو عوام کی اکثریت کی خواہشات، ایمان اور عقیدے کی رُو سے مستقل طور پر حل کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے مسئلے پر، میں آمرانہ طور پر خود کوئی فیصلہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ جمہوری طریق کار یہی ہے کہ اس اہم مسئلے پر عوام کے منتخب نمائندے خود سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کریں۔ میں قادیانیوں کے مسئلہ کا جمہوری، منصفانہ اور صحیح فیصلہ کروں گا اور مجھے اپنے فیصلے پر فخر ہو گا۔ یہ فیصلہ کرانے کے لیے وقت کی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ ختم نبوت کا مسئلہ ہر گز متنازعہ نہیں۔ فیصلہ تو ہو چکا ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ جو شخص ختم نبوت کا قائل نہیں ہے، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اب اسے ایک ضابطہ کے تحت لانا باقی ہے۔ گزشتہ عام انتخابات میں قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کو ووٹ دیے تھے لیکن انھوں نے ہمیں خرید تو نہیں لیا۔ ووٹ تو ہمیں دوسرے فرقوں نے بھی دیے۔ مگر ہم ان کے محتاج تو نہیں۔ میں صرف اللہ کا محتاج ہوں اور پاکستان اور اس کے عوام سے وفاداری میرا ایمان ہے۔ میں وہی کروں گا جو میرا ضمیر کہے گا۔ میں مسلمان ہوں۔ مجھے مسلمان ہونے پر فخر ہے۔ کلمہ کے ساتھ پیدا ہوا تھا اور کلمہ کے ساتھ مروں گا۔ ختم نبوت پر میرا ایمان کامل ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں نے ملک کو جو دستور دیا ہے، اس میں ختم نبوت کی اتنی ٹھوس ضمانت نہ دی گئی ہوتی۔ 1956ء اور 1962ء کے آئین میں ایسی کوئی ضمانت کیوں نہیں دی گئی۔ حالانکہ یہ مسئلہ 90 سال پرانا ہے۔ یہ شرف مجھ گناہگار کو حاصل ہوا ہے کہ ہم نے اپنے دستور میں صدر مملکت اور وزیر اعظم کے لیے ختم نبوت پر کامل ایمان کو لازمی شرط قرار دیا ہے۔ ہم نے یہ ضمانت اس لیے دی ہے کہ ہمارے ایمان کی رو سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے ملک کو نیا عوامی دستور دیا اور انشاء اللہ عوام کے تعاون

سے قادیانیوں کا مسئلہ مستقل طور پر حل کر دوں گا۔ یہ اعزاز بھی مجھے ہی حاصل ہو گا اور یومِ حساب، خدا کے سامنے اس کام کے باعث سرخرو ہوں گا۔"[14]

انہی دنوں مجاہد ختم نبوت جناب آغا شورش کاشمیری نے بھٹو سے طویل ملاقات کی جس میں انھوں نے اثر انگیز انداز میں ختم نبوت کی وکالت کی۔ اس پر جناب بھٹو کو کہنا پڑا "شورش کاشمیری نے میرا دو ٹوک جواب سننے کے باوجود قادیانیوں کے مذہبی معتقدات میرے سامنے اس طرح رکھے جن کے مطابق امت کا ہر فرد حتیٰ کہ خود میں اور میرے ماں باپ بھی کافر تھے۔ مجھے قادیانیوں کی کتابیں دیکھ کر بڑا غصہ آیا... کم از کم میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ قادیانی حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت علیؓ اور میرے ماں باپ تک کو کافر سمجھتے ہیں۔ لیکن میں نے اپنے غصے پر قابو پا کر شورش کاشمیری سے کہا۔ یہ تو درست ہے کہ قادیانی، امت مسلمہ کے ہر چھوٹے بڑے رکن کو کافر سمجھتے ہیں لیکن ان کے عقائد کے بارے میں مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ کام تو علما کا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی تبلیغ کے ذریعے ان عقائد سے تائب کریں اور جو وقت وہ تحریکیں چلانے میں صرف کرتے ہیں، وہ قادیانیوں کے خلاف تبلیغ میں صرف کریں، حکومت ان کی ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ شورش نے جو کچھ کہا اس پر باحوالہ دلائل دیے اور سب سے آخر میں، اس نے بھی مفتی محمود کی طرح ایک جذباتی مطالبہ کیا۔ اس کے مطالبے کو قبول کرنے کے لیے میرے سامنے اس کے دلائل کا انبار تھا اور میں نے دل ہی دل میں یہ مسئلہ حل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا... لیکن اس موقع پر شورش نے ایک ایسی حرکت کی جس سے میں لرز گیا۔ ان کے ساتھی مولوی تاج دین جو ان کے ہمراہ تھے، وہ بھی بڑے حیران ہوئے"[15]

شورش نے گفتگو کرتے ہوئے یکایک اٹھ کر بڑے جذباتی انداز میں میرے پائوں پکڑ لیے۔ میں نے شورش کو اس کی عظمت کا احساس دلاتے ہوئے اٹھا کر گلے سے لگا لیا مگر شورش ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا!

"بھٹو صاحب! ہمارے پاس کون سی عظمت ہے۔ ہم ایک سو سال سے اپنے آقا و مولا ﷺ کی عزت و عظمت بحال نہیں کر سکے۔ ہم سے زیادہ ذلیل قوم کسی ملک نے آج تک پیدا نہیں کی ہو گی۔ ہم اس وقت عزت و عظمت کا تاج سر پر رکھ سکتے ہیں جب قادیانیوں سے محمد عربی ﷺ کی نبوت کا تاج چھین

کر آقائے کونین ﷺ کو راضی کر لیں۔ پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر کہا۔ ''بھٹو صاحب! میں آپ سے اپنے اور آپ کے نبی ﷺ کی ختم المرسلین کے تحفظ کی بھیک مانگتا ہوں۔ آپ میری زندگی کی تمام خدمات اور نیکیاں لے لیں۔ میں خدا کے حضور خالی ہاتھ چلا جائوں گا مگر خدا کے لیے اپنے نبی ﷺ کی نبوت کی حفاظت کر دیجیے۔ یہ میری جھولی نہیں۔ فاطمہ بنت محمد ﷺ کی جھولی ہے۔ جس کی ناموس پر قادیانی حملہ آور ہیں۔ اب اس سے زیادہ مجھ میں کچھ سننے کی تاب نہ تھی۔ میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آگئی۔ میں بھی آخر مسلمان تھا اور اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتا تھا... میں مسلمان کی حیثیت کے سوا اپنی ہر حیثیت بھول گیا تھا۔ میں نے شورش سے وعدہ کر لیا کہ میں قادیانی مسئلہ ضرور حل کر دوں گا''[16]

ذوالفقار علی بھٹو کے نڈر اقدام

ذوالفقار علی بھٹو جانتے تھے کہ قادیانیوں کو اگر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو انہیں امریکہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ جب بھٹو مرحوم سربراہ مملکت کی حیثیت سے پہلی مرتبہ امریکہ کے دورے پر گئے تو امریکی صدر نے انہیں ہدایت کی کہ پاکستان میں قادیانی جماعت ہمارا سیکٹ (Sect) ہے۔ ان کا آپ نے ہر لحاظ سے خیال رکھنا ہے۔ دوسری مرتبہ بھی جب امریکہ کے دورے پر گئے تو بھی یہی بات دہرائی گئی، اس بات کا انکشاف انہوں نے اپنے اقتدار کے آخری ایام میں یہ کہتے ہوئے کہا:

''یہ بات میرے پاس امانت تھی۔ فقط ریکارڈ پر لانے کے لیے کہہ رہا ہوں۔'' بھٹو کے دور اقتدار میں کئی کلیدی افسران کو اس لیے جبری ریٹائرڈ کرنا پڑا کہ انہوں نے ایئر فورس پر مرزائیوں کو قابض کرانے کے لیے بڑی ناکام تدابیر کیں۔ ایک دفعہ ایئر مارشل ظفر احمد چودھری کے ہاتھوں کورٹ مارشل کی بھینٹ چڑھنے والے فضائیہ کے ایک مسلمان افسر نے مسٹر بھٹو تک رسائی حاصل کی اور انہیں ظفر چودھری کی گھٹیا ذہنیت سے آگاہ کیا۔ ان کی یہ لرزہ خیز داستان سن کر مسٹر بھٹو بہت حیران ہوئے۔ اس روز بھٹو بے حد پریشان ہوئے اور ان کے ماتھے پر معنی خیز شکن اُبھر آئی اور کہا: ''اچھا یہ ہے کہ ان کا اصل روپ!'' اس کے علاوہ بھی بھٹو کو بہت سی ایسی باتیں ظفر چودھری کے حوالے سے

معلوم ہوئیں جن سے انھیں یقین کامل ہو گیا کہ قادیانی نہ صرف غیر مسلم بلکہ پاکستان کے لیے ایک بہت بڑی آگ ہیں"[17]

قانون توہین رسالت ﷺ کی منظوری

چنانچہ 7 ستمبر 1974ء کو ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد کی بناء پر 13 دن کی طویل جرح کے بعد غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ آئین کی دفعہ 106 کی شق (2) اور 260 کی شق (3) کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی پھانسی سے پہلے لکھی جانے والی اپنی آخری کتاب "If I am Assassinated?" "اگر مجھے پھانسی دی گئی" میں لکھا:

"میں ایک اور خاص بات کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں کہ الیکشن کمیشن کے سیکرٹری مسٹر زیڈ اے فاروقی کے بیانات

وائٹ پیپر میں جگہ جگہ شامل کیے گئے ہیں۔ اتفاق یہ ہے کہ مسٹر زیڈ اے فاروقی، مسٹر این اے فاروقی کے بھتیجے بھی ہیں جن کی بیوی میرے مقدمہ میں وعدہ معاف گواہ مسعود محمود کی بیوی کی بہن ہے۔ جہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے، این اے فاروقی نے مسعود محمود کے وعدہ معاف گواہ بننے سے قبل مسعود محمود اور مارشل لاء حکام کے درمیان رابطے کا کام کیا تھا۔ یہاں میں یہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ الیکشن کمیشن کے سیکرٹری مسٹر این اے فاروقی جن کے بیانات کو وائٹ پیپر میں بنیاد بنایا گیا ہے، وہ قادیانی ہیں اور انھوں نے مجھ سے اس بات کا بدلہ لیا ہے کہ میں نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار کیوں دیا تھا۔"[18]

مجاہد ختم نبوت مولانا تاج محمودؒ بیان کرتے ہیں:

"تحریک ختم نبوت 1974ء کے دوران میں حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے جید علمائے کرام پر مشتمل ایک وفد نے جناب ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کی اور انھیں قادیانی عقائد و عزائم سے آگاہ کیا۔ اس موقع پر علمائے کرام نے بھٹو صاحب سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کی پرُزور درخواست کی۔ اس پر جناب بھٹو نے وفد کو یقین دلایا کہ وہ اپنے ایمان اور عقیدے کی رُو سے قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھتے ہیں اور قادیانیوں کے بارے میں

پارلیمنٹ کے فیصلہ پر ہر مسلمان فخر کرے گا۔ مزید برآں انھوں نے اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے وفد سے کہا کہ آپ لوگ مجھ سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا رہے ہیں لیکن میں اس کے بدلہ میں اپنی گردن میں پھانسی کا پھندہ دیکھ رہا ہوں، کیونکہ امریکہ سمیت مجھے کئی عالمی طاقتوں نے خصوصی طور پر کہا ہے کہ "آپ پاکستان میں احمدیوں کا خاص خیال رکھیں!"[19]

قادیانیوں کا جشن

قادیانیوں کو آئین میں غیر مسلم اقلیت قرار دلانے والے ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی پر قادیانیوں نے جشن منایا، مٹھائیاں تقسیم کیں اور جھوٹے مدعی نبوت اور انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا قادیانی علیہ ماعلیہ کی کتابوں کو کھنگالنا شروع کر دیا کہ شاید کوئی ایسا لفظ مل جائے جسے وہ الہام بنا کر جناب بھٹو پر چسپاں کر سکیں، طویل تلاش وبسیار کے بعد مرزا قادیانی کی ایک نام نہاد وحی ملی کہ

"ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد تہجی میں مجھے خبر دی جس کا ماحصل یہ ہے کہ (کلب یموت علی کلب) یعنی وہ کتا ہے اور کتے کے عدد پر مرے گا۔ جو باون سال پر دلالت کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر باون سال سے تجاوز نہیں کرے گی جب باون سال کے اندر قدم دھرے گا۔ تب اسی سال کے اندر اندر راہی ملک بقا ہو گا۔"[20]

اس خود ساختہ اور من گھڑت الہام کو سچا ثابت کرنے کے لیے کتے کے اعداد نکالے جو 52 بنتے ہیں اور پھر اسے جناب بھٹو مرحوم پر چسپاں کر دیا کہ چونکہ بھٹو صاحب کو 52 ویں سال میں پھانسی ہوئی اور مرزا قادیانی کا یہ الہام بھٹو صاحب کے بارے میں ہے، لہٰذا کتا (بھٹو) کتے کی موت مر گیا (استغفر اللہ!) اس موقع پر مولانا تاج محمودؒ نے "لولاک" میں لکھا تھا:

"یہ الہام نہیں بلکہ مرزا قادیانی نے اپنے بیٹے مرزا محمود کو کسی شرارت پر جھڑکا ہو گا اور کہہ دیا ہو گا کہ "یہ کتا ہے، کتے کی موت مرے گا!" ماں باپ خواہ مسلمان ہوں یا مرزا قادیانی کی طرح کافر و مرتد اور زندیق ہوں، ان کی بددعا اکثر و بیشتر اولاد کے بارے میں اپنا اثر دکھاتی ہے، چنانچہ مرزا قادیانی کی اس بددعا نے (جسے الہام بنا دیا گیا) اپنا اثر دکھایا اور مرزا محمود گیارہ سال تک خارش زدہ بائولے کتے کی طرح ایک علیحدہ کمرے میں قید رہا، جس کے ساتھ کسی کو ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ آخری دنوں میں تو اس

کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ کتے کی طرح بھونکتا تھا۔ چونکہ مرزا محمود کی مدت خلافت باون سال تھی اور "کلب" کے عدد بھی 52 ہوتے ہیں، لہٰذا یہ بد دعا مرزا محمود کو لگی اور وہ کتے کے عدد پر مر گیا۔"[21]

قادیانیوں کا بھٹو کے خلاف فیصلہ کے بارے میں جو نقطہ نظر تھا، وہ سابق وزیر خارجہ اور مشہور قادیانی چوہدری ظفر اللہ خاں کے ایک انٹرویو میں ہے، جس میں اس نے بھٹو صاحب کے بارے میں اسی قسم کی بکواس کی ہے۔ حالانکہ بھٹو مرحوم نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے کر وہ تاریخی کارنامہ سرانجام دیا کہ رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ ان کی یہ شاندار خدمت تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے اور اس معاملے میں ہم انھیں ملک و ملت کا محسن گردانتے ہیں۔

17 مئی 1978ء سے 4 اپریل 1979ء تک کرنل رفیع الدین نے سنٹرل جیل راولپنڈی میں مارشل لاء انتظامیہ کی جانب سے سپیشل سیکورٹی سپرنٹنڈنٹ کے فرائض سرانجام دیے جہاں سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو رکھا گیا تھا۔ انھوں نے اسی عرصہ ملازمت کے مشاہدات، تجربات اور محسوسات پر مبنی ایک کتاب "بھٹو کے آخری 323 دن" تحریر کی جس میں وہ لکھتے ہیں:

"قادیانی مسئلہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر بھٹو صاحب نے کئی بار کچھ نہ کچھ کہا۔ ایک دفعہ کہنے لگے، رفیع! یہ لوگ چاہتے تھے کہ ہم ان کو پاکستان میں وہ مرتبہ دیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے۔ یعنی ہماری ہر پالیسی ان کی مرضی کے مطابق چلے۔ ایک بار بھٹو نے کہا کہ قومی اسمبلی نے ان کو غیر مسلم قرار دیا ہے اس میں میرا کیا قصور ہے۔ ایک دن اچانک مجھ سے پوچھا کہ کرنل رفیع! کیا قادیانی آج کل یہ کہہ رہے ہیں کہ میری موجودہ مصیبتیں ان کے خلیفہ کی بد دعا کا نتیجہ ہیں کہ میں کال کوٹھڑی میں پڑا ہوا ہوں۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ "بھئی اگر ان کے اعتقاد کو دیکھا جائے تو وہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر ہی نہیں مانتے اور اگر وہ مجھے ہی اپنے آپ کو غیر مسلم قرار دینے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ پھر کہنے لگے میں تو بڑا گناہگار ہوں اور کیا معلوم کہ میرا یہ عمل ہی میرے گناہوں کی تلافی کر جائے اور اللہ میرے تمام گناہ اس نیک عمل کی بدولت معاف کر دے!"

بھٹو صاحب کی باتوں سے میں یہ اندازہ لگایا کرتا تھا کہ شاید ان کو گناہ وغیرہ کا کوئی خاص احساس نہ تھا لیکن اس دن مجھے محسوس ہوا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔"[22]

جناب کرنل رفیع الدین اپنی مذکورہ کتاب میں بھٹو صاحب کے بارے میں حیرت انگیز انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں زیر تربیت تھا جب مجھے ایک ساتھی کیڈٹ کے ذریعے دست شناسی کا شوق پیدا ہوا۔ کمیشن حاصل کرنے کے بعد میں نے اس مشغلے کو کافی سنجیدگی سے لیا۔ بہت سی کتابیں پڑھیں، بے شمار ہاتھ بھی دیکھے۔ اب بھی جب کبھی گاؤں جاتا ہوں تو بزرگ خواتین اپنے اہل و عیال کے ساتھ گھیر لیتی ہیں۔ لیکن جب انھیں بتاتا ہوں کہ مجھ سے یہ علم لے لیا گیا ہے تو وہ بہت رنجیدہ ہو جاتی ہیں۔ مگر پھر بھی اصرار کرتی ہیں کہ میرے اس بچے کی قسمت کے متعلق کچھ تو بتائیں۔ کافی عرصہ ہوا میں نے پامسٹری کو پڑھنا اور پریکٹس کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن اس کے باوجود میں کسی بھی ہاتھ کو دیکھتے ہی چند بڑی لکیروں پر نظر دوڑا لیتا ہوں۔ جس دن سے بھٹو صاحب کے ساتھ جیل میں ملنا ملانا شروع ہوا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کا سلسلہ چل نکلا تو میرا دست شناسی کا پرانا اشتیاق جاگ اٹھا۔ دراصل بھٹو صاحب خوب باتیں کیا کرتے تھے۔ اس دوران ان کی زبان کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ بھی ہوا میں لہراتے رہتے تھے۔ میری آنکھیں ان کے ہاتھ پر جمی رہتی تھیں۔ ان کے ہاتھ کی لکیروں کو بار بار دیکھتا رہتا تھا۔ ان کی شمسی اور قسمت کی لکیریں بے حد نمایاں تھیں۔ دل، دماغ اور زندگی کی لکیریں بھی کافی غور سے دیکھیں۔ اس کیس کی وجہ سے میں ان کی زندگی کی لکیر کو بار بار دیکھتا۔ ان کی یہ لکیر سوائے پہلے چند سالوں کے جو عموماً ہر ہاتھ پر ایسی ہی ہوتی ہے، باقی گہری، صاف، بغیر کسی خلل اندازی یا کٹ کے شروع سے کلائی تک بالکل نمایاں تھی، یعنی زندگی کی لائن، ٹوٹ پھوٹ، جزیرے یا کٹ وغیرہ سے مبرا تھی۔ یہی نہیں بلکہ مددگار لکیر بھی موجود تھی۔ مجھے ان کے ہاتھ پر کسی حادثے یا اچانک موت کی کوئی نشانی نہیں ملی۔ اس لیے مجھے یقین ہو رہا تھا کہ ان کو سزا تو ہو سکتی ہے لیکن پھانسی سے ان کی زندگی ختم نہیں ہو گی''[23]

حضرت مولانا لطف اللہؒ فرماتے ہیں: ''شاہ فیصلؒ سے حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کی جو آخری ملاقات ہوئی، اس میں انھوں نے مولانا سے فرمایا تھا: ''میں نے بھٹو کو ملاقات کے وقت صاف صاف بتا دیا تھا کہ پاکستان کے تین دشمن ہیں: قادیانی، کمیونسٹ اور مغربی ممالک۔'' مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ نے بھٹو سے جو ملاقات لاہور میں کی تھی، اس میں آپ نے بھٹو سے کہا:

"کیا آپ کو شاہ فیصل نے نہیں بتایا کہ قادیانی، کمیونسٹ اور مغربی ممالک، پاکستان کے تین دشمن ہیں اور انہی لوگوں نے سازش کر کے لیاقت علی خان کو مروایا تھا؟ مسٹر بھٹو نے مولانا سے کہا کہ کیا آپ مجھے بھی مروانا چاہتے ہیں؟ مولانا نے برجستہ فرمایا کہ: ایسی موت کسی کو نصیب ہو تو اس پر ہزاروں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ جو شخص شہادت کی موت مرتا ہے، وہ مرتا نہیں بلکہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔" [24]

مجاہد ختم نبوت اور خراج تحسین

مجاہد ختم نبوت جناب آغا شورش کاشمیریؒ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر جناب ذوالفقار علی بھٹو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پاکستان بنا تو مرزائی قادیان سے اٹھ کر لاہور آ گئے پھر انگریز گورنر سر فرانسس موڈی سے کوڑیوں کے بھاؤ ربوہ کی زمین حاصل کی اور وہاں سے پاکستان کے مختلف حصوں میں اپنی فرمانروائی کا منصوبہ تیار کرنے لگے۔ مرزا ناصر تو عقل کے کورے ہیں لیکن مرزا محمود، کرنل لارنس کی سی شاطرانہ ذہنیت کے مالک تھے۔ انھوں نے پاکستان میں اقتدار کا خواب دیکھنا شروع کیا حتیٰ کہ بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے کا اعلان کیا۔ جب ان کی سیاسی پخت و پز خطرناک ہو گئی تو علما میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ تمام علما نے اکٹھے ہو کر مزاحمت کا بیڑا اٹھایا، مجلس عمل کی بنیاد رکھی، راست اقدام کیا لیکن اس وقت کے بدبخت حکمرانوں نے ملت اسلامیہ کے متفقہ مطالبے کو ٹھکرا دیا، مارشل لاء لگایا۔ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ سیکڑوں نوجوان گولیوں سے بھونے... منیر انکوائری کمیٹی نے تحقیقات شروع کیں تو خواجہ ناظم الدین نے کھلے بندوں کہا کہ وہ ظفر اللہ کو علیحدہ کرنے یا مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ ماننے سے اس لیے قاصر تھے کہ پاکستان میں خوراک کا بحران تھا اور امریکہ ظفر اللہ کے بغیر ایک دانہ گندم دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ گویا اسلام، دانہ گندم پر قربان کر دیا گیا... میں یہ اعلان کرتا رہا کہ مسٹر بھٹو ہی قادیانی امت کو ملت اسلامیہ سے خارج کر کے اقلیت قرار دیں گے۔ بحمد للہ یہی ہوا۔ آج یہ عظیم کارنامہ مسٹر بھٹو نے ہی سرانجام دیا ہے۔ انھوں نے ملت اسلامیہ سے 13 جون کے عظیم نشریہ میں جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کیا اور اس طرح پورا کیا کہ آج پاکستان کے مسلمان ہی نہیں بلکہ کائنات کے مسلمان ان کے شکر گزار ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی اجتماعی آواز کو پروان چڑھایا۔ تمام پارٹیوں

کی متفقہ خواہش پر صاد کیا بلکہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں اس حد تک غیرت ایمانی اور جرأت اسلامی کا ثبوت دیا کہ پاکستان میں ہمیشہ کے لیے فرضی نبوتوں کا دروازہ بند ہو گیا... مسٹر بھٹو نے اس فیصلے اور اقدام سے پچھلی تمام حکومتوں کو مات دے دی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ کے دربار میں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ انھوں نے ختم نبوت کی پاسبانی کی ہے۔ ان کی عزت کا محافظ اللہ ہو گا اور وہ جلد ہی محسوس کریں گے کہ انھوں نے ایک مسئلہ حل نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے دل جیت لیے ہیں۔ آج ہر گھر میں مرد عورتیں اور بچے بچیاں ان کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ جو کام بڑے بڑے الحاج وزیر اعظم نہ کر سکے اور نظریہ پاکستان کی اجارہ دار کھیپ سے نہ ہو سکا، وہ کام بھٹو نے کیا اور اس طرح کیا کہ ہمارے پاس ان کے لیے تشکر و امتنان کے الفاظ نہیں..."[25]

حوالہ جات وحواشی:

---

[1]۔ ضیائے حرم، تحفظ ناموس رسالت نمبر، پاکستان میں قانون ناموس رسالت کا ارتقائی جائزہ، ڈاکٹر عرفان خالد ڈہلوں، س ۲۰۱۱ء، ص ۲۱۳۔

Zia Haram, Protection of Honorable Prophet No., Evolutionary Review of Law Honorable Prophethood in Pakistan, Dr. Irfan Khalid Dahlon, Q. 2011, p. 213.

[2]۔ محمد اسماعیل قریشی، ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت ﷺ، الفیصل ناشران۔ لاہور، س ۲۰۰۶، ص ۳۳۲۔

Muhammad Ismail Qureshi, The Honor of Prophethood and the Law of Blasphemy, Al-Faisal Publishers. Lahore, S. 2006, p. 332.

[3]۔ ایضاً۔

Ibid.

[4]۔ ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت ﷺ، ص ۳۳۳۔

Honorable Messenger and the law of blasphemy, p. 333.

[5]۔ ایضاً۔

Ibid.

[6]۔ ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت ﷺ، ص ۳۳۴۔

Honorable Messenger and the law of blasphemy, p. 334.

[7]۔ ایضاً، ص ۳۳۵۔

Ibid, P#335.

[8]۔ ایضاً۔

Ibid.

[9]۔ناموس رسالت اور قانون توہین رسالت ﷺ، ص ۳۳۵۔

Honorable Messenger and the law of blasphemy, p. 335.

[10]۔سید ابوالاعلیٰ مودودی، قادیانی مسئلہ، مرکزی مکتب پبلشرز۔ نئی دہلی، س ۲۰۱۵ء، ص ۲۰۔

Syed Abul Ala Maududi, Qadiani Problem, Central School Publishers. New Delhi, 2015, p. 20.

[11]۔پاکستان میں قانون ناموس رسالت کا ارتقائی جائزہ، ص ۲۱۳۔

In Pakistan the Law of Honorable Prophethood evolutionary review, p. 213.

[12]۔کرنل رفیع الدین، بھٹو کے آخری ۳۲۳ دن، مکتبہ ختم نبوت، س ۲۰۰۴ء، ص ۶۷۔

Colonel Rafiuddin, The last 323 days of Bhutto, Maktaba Khatman Nabubat, S. 2004, p. 67.

[13]۔قادیانی مسئلہ، ص ۳۵۔

Qadiani problem, p.35.

[14]۔تحریک ختم نبوت، ص ۵۳۔

Termination of Prophethood movement, p. 53.

[15]۔ایضاً۔

Ibid.

[16]۔مجاہد الحسینی، تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء، ختم نبوت پبلشرز۔لاہور، س ۲۰۱۶ء، ص ۴۵۔

Mujahid Al-Husseini, Tehreek Khattam Nabubat 1953, Khatam Nabubat Publishers. Lahore, S. 2016, p. 45.

[17]۔ایضاً۔

Ibid.

[18]۔اگر مجھے پھانسی دی گی، ذوالفقار علی بھٹو، الفیصل ناشران۔لاہور، س ن، ص ۳۲۔

If I will be hanged, Zulfiqar Ali Bhutto, Al-Faisal Publishers. Lahore, S.N., p.32.

[19]۔تحریک ختم نبوت، ص ۵۶۔

Termination of Prophethood movement, p. 56.

[20]۔ازالہ اوہام، غلام احمد قادیانی، ص ۱۸۷۔

Azalah Uham, Ghulam Ahmad Qadiani, p. 187.

[21]۔تاج محمود، لولاک، الفیصل ناشران۔لاہور، س ۲۰۰۵ء، ص ۶۱۔

Taj Mahmood, Lulak, Al-Faisal Publishers. Lahore, 2005, p. 61

[22]۔کرنل رفیع الدین، بھٹو کے آخری ۳۲۳ دن، مکتبہ ختم نبوت، س ۲۰۰۴ء، ص ۶۷۔

Colonel Rafiuddin, The last 323 days of Bhutto, Maktaba Khatman Nabubat, S. 2004, p. 67.

[23]۔ایضاً۔

Ibid

[24]۔ سید محمد یوسف بنوری، قادیانیت، الہدی پبلشرز۔ کراچی، س۱۹۹۸ء، ص۴۴۔
Syed Muhammad Yusuf Banuri, Qadianiyat, Al-Hadi Publishers. Karachi, S1998, p.44.

[25]۔ آغا شورش کاشمیری، غیر مسلم اقلیت، الفیصل ناشران۔ لاہور، س۲۰۰۹ء، ص۳۵۔
Agha Shurash Kashmiri, Non-Muslim Minority, Al-Faisal Publishers. Lahore, S. 2009, p. 35.